© rasailojaraid.com

اداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسلمان معاشروں میں اسلام اور مغربیت کے درمیان جاری کشمکش نوآبادیاتی دور کی باقیات میں سے ہے۔ مغربی نوآبادیاتی حکمران اور اُن کے ہم نوا مسیحی مبشّرین اپنے بے پناہ اختیارات اور مادی وسائل کے باوجود مسلمان معاشروں کو مغربیّت کے رنگ میں تو نہ رنگ سکے، البتہ اپنے اردگرد ایک ایسا طبقہ پیدا کرنے میں ضرور کامیاب ہوئے جو برطانوی نوآبادیاتی دماغ لارڈ میکالے کے بقول "خون اور رنگ کے اعتبار سے تو [مقامی] تھا، مگر ذوق، طرزِ فکر، اخلاق اور فہم و فراست کے نقطۂ نظر سے نوآبادیاتی حکمرانوں" جیسا تھا۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد جب نوآبادیاتی حکمرانوں کے لیے بوجوہ ممکن نہ رہا کہ براہ راست محکوم اقوام پر تسلّط برقرار رکھ سکتے، تو جاتے ہوئے اقتدار کی باگ ڈور اپنے وفادار "ہم فکر" مقامی طبقے کے حوالے کر گئے۔ یہ طبقہ اپنے مفادات اور طرزِ فکر کے اعتبار سے عوام سے اِس قدر کٹا ہوا تھا، اور ہے، کہ عوام کے مسائل حل کرنا اس کے لیے ممکن نہیں، البتہ کسی صورت میں اقتدار سے الگ ہونا بھی اِسے گوارا نہیں۔ گزشتہ دو عشروں میں جب مسلمان عوام نے مغربیّت زدہ مقتدر طبقے کے خلاف آواز بلند کی، اور اس آواز میں اسلام سے شیفتگی اور لگاؤ کا بھرپور اظہار ہوا تو سابق مغربی نوآبادیاتی طاقتوں کے ہاں خطرے کی بُو محسوس کی جانے لگی، اور دیکھتے ہی دیکھتے اُن کے ذرائع ابلاغ اسلام کے "خنجروں"، "تلواروں" اور "اسلامی آگ" کی تراکیب کے تحت وہ سب کچھ کہنے لگے جو صلیبی ذہنیّت کے تحت صدیوں میں تخلیق ہوا تھا، تاہم مغرب کے منصف مزاج اہلِ دانش نے، جو مسلمان معاشروں کے تضادات سے واقف ہیں، بجا طور پر واضح کیا کہ مغربیّت زدہ حکمرانوں کے خلاف مسلمان عوام کے غیظ و غضب کو مغربی اقوام کے خلاف اعلانِ جنگ تصوّر کرنا درست نہیں۔

ابھی ۱۹۷۰ء کے عشرے میں شروع ہونے والا احیائے اسلام کا تجربہ جاری تھا کہ سابق سوویت یونین کا جابرانہ نظام اپنی داخلی کمزوریوں کے باعث ناکام ہوگیا اور دُنیا کی ایک "سُپر پاور" تحلیل ہو کر رہ گئی۔ سوویت یونین مخالف، مگر سوشلزم کے داعی عوامی جمہوریہ چین [اور جنوب مشرقی ایشیا کے کچھ دوسرے ممالک] نے حالات بھانپتے ہوئے اپنے اقتصادی نظام میں تبدیلیاں کیں، اور دولت کے مغربی پجاریوں نے اپنے ہاں بے روزگاری میں اضافے کی پروا کیے بغیر سرمایہ چین اور جنوب مشرقی ایشیا کے ملکوں میں منتقل کر دیا۔ چین تیزی سے اقتصادی پیش رفت کرنے لگا، مزید براں ۱۹۸۰ء کے عشرے ہی میں طے ہوگیا تھا کہ یکم جولائی ۱۹۹۷ء کو ہانگ کانگ پر چین کا پرچم لہرا دیا جائے گا، اور جب کچھ مغربیّت زدہ طلبہ نے "جمہوری تحریک" کے نام پر چینی معاشرے میں تبدیلی کی کوشش کی تو چین کی قیادت نے کسی قسم کا دباؤ قبول کیے بغیر اپنے قومی مفادات کے تحت اقدام کیا۔

ایک طرف مسلمان معاشروں میں احیائے اسلام کی تڑپ، مغربیّت زدہ قیادت سے مسلمان عوام کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مایوسی، اور دوسری طرف عوامی جمہوریہ چین جیسی قوت کو اُبھرتے دیکھ کر "زود حس" مغربی ذرائع ابلاغ نے مسلمانوں اور عوامی جمہوریہ چین جیسے سوشلسٹ ملکوں کے درمیان "متوقع" مغرب - مخالف اتحاد و تعاون کی باتیں شروع کر دیں۔ اِس دفعہ مغربی ذرائع ابلاغ کو ہارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر سیموئل ہنٹنگٹن کی نظریہ سازی سے بڑی مدد ملی۔ پروفیسر موصوف گزشتہ تیس برس سے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے ماہرین علم سیاسیات میں سرکردہ حیثیت کے مالک چلے آ رہے ہیں۔ اُن کی تالیف Political Order in Changing Societies (تالیف: ۱۹۶۸ء) تعمیر و تشکیلِ ریاست کے موضوع پر سند کی حیثیت رکھتی ہے۔ اُنہوں نے نہایت مؤقر امریکی مجلّہ "فارن افیئرز" (۱۹۹۳ء) میں ایک مقالہ Clash of Civilizations [تہذیبوں کا تصادم] کے عنوان سے لکھا جس کا لب لباب یہ تھا کہ سابق سوویت یونین کے زوال کے بعد اب مستقبل میں سیاسی و اقتصادی نظریات کی بنیاد پر ٹکراؤ اور جنگیں نہیں ہوں گی، بلکہ یہ جنگیں تہذیبوں کے درمیان ہوں گی۔ اُنہوں نے آج کی غالب مغربی تہذیب کے بالمقابل چینی اور اسلامی تہذیبوں کو پیش کیا ہے۔ پروفیسر موصوف نے مغربی تہذیب، جس کا ایک عنصر مسیحیت ہے، کے خود ساختہ محافظ کی حیثیت سے مغربی قیادت کو مشورے دیے ہیں کہ اُسے اپنی تہذیبی برتری برقرار رکھنے کے لیے کیا اقدامات کرنے چاہییں۔

یہ امر دلچسپ ہے کہ پروفیسر ہنٹنگٹن فکر و خیال کے اعتبار سے کچھ قدامت پسند رہے ہیں۔ وہ امریکی رہنماؤں کے اس ذہنی رجحان کے زبردست ناقد تھے کہ اُن کے ہاں فرد کی آزادی کے مقابلے میں سیاسی اتھارٹی کا کردار چنداں اہمیت کا حامل نہیں۔ وطنِ عزیز میں جنرل محمد ایوب خان کے "بنیادی جمہوریتوں" کے فلسفے کے تحت، بالفاظ سیّد مودودی مرحوم جمہوریت کو بنیاد سے ختم کر دیا گیا تھا، مگر پروفیسر ہنٹنگٹن جنرل محمد ایوب خان کی تعریف میں اس لیے رطب اللسان تھے کہ اس نظام میں سیاسی اتھارٹی تشکیل و تعمیر ریاست کا فریضہ انجام دینے میں معاون ثابت ہو رہی تھی۔ حالیہ مقالے — "تہذیبوں کا تصادم" — میں پروفیسر موصوف اپنے سابق مؤقف سے رجوع کرتے ہوئے ذہناً وہاں کھڑے ہیں جہاں اجتماعی و معاشرتی فلاح و بہبود کے بجائے فرد کی ذاتی آزادی کو زیادہ اہمیت حاصل ہے۔

"تہذیبوں کا تصادم" کی اشاعت کے ساتھ ہی ردِ عمل سامنے آنے لگا تھا، اور مغرب کی علمی دُنیا کے ایک بڑے حصّے نے نہ صرف اسے ایک گمراہ کن نظریہ قرار دیا، بلکہ عالمی منظر سے سوویت یونین کے غائب ہونے کے بعد اسے "ایک نیا دشمن تلاش کرنے" سے تعبیر کیا تھا، تاہم یہ بات واضح تھی کہ پروفیسر ہنٹنگٹن کی شخصیت، شہرت اور اثرات کے تحت امریکی پالیسی سازوں میں اسے کچھ نہ کچھ پذیرائی ضرور حاصل ہو گی۔ حال ہی میں امریکہ کی کانگرس میں ایک بل پیش کیا گیا ہے جس کے مطابق اُن "اسلامی اور کمیونسٹ ملکوں" کو سزا دی جائے گی جن میں مسیحی برادری کو مشکلات کا سامنا ہے۔ شہریت کے امریکی قوانین میں ردّ و بدل کیا جائے گا، تاکہ معتوب مسیحیوں کو اُسی طرح امریکہ منتقل کیا جا سکے جیسے کبھی سوویت یونین سے یہودیوں کو لایا جاتا تھا۔ انسانی حقوق کا احترام نہ کرنے والے اسلامی اور کمیونسٹ ملکوں کے خلاف پابندیاں لگائی جائیں گی۔ ان پابندیوں میں امریکی امداد کی بندش، نیز اقوام متحدہ کی "سلامتی کونسل" اور "صنعتی جمہوری ملکوں" کے پلیٹ فارم سے "انسانی حقوق" کے احترام میں ناکام رہنے والوں کے خلاف اقتصادی اقدامات ہوں گے۔ (جاری ہے)

© rasailojaraid.com